بیعتِ عقبہ ثانیہ اور حضرت عباسؓ

جناب ڈاکٹر محمد سلیمان صاحب۔ استاد شعبۂ علومِ اسلامیہ۔ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

تاریخِ ملّتِ اسلامیہ یا سیرتِ مطہرۂ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا دائرہ ہو، یا دیگر کسی علمی بحث کا میدان، ہم تہِ دل سے یہ چاہتے ہیں کہ ذہانت و قابلیت رکھنے والے مسلمان نوجوان نئی نئی تحقیقات پیش کریں، پچھلے ریکارڈ کی چھان پھٹک کریں، کوئی نئی بات دریافت کریں یا کسی غلط مسلّمہ کمزوری کو واضح کریں۔

اسی نقطۂ نظر سے ہم نے درج ذیل مضمون کو اپنے ہاں بخوشی جگہ دی ہے، مگر ساتھ ہی ہم ڈاکٹر محمد سلیمان صاحب کو مضمون کے بعض ایسے مندرجات پر متوجہ کرنا چاہتے ہیں جنہیں سامنے رکھ کر انہیں اپنے سارے کام پر نظرِ ثانی کرنی چاہیے۔

ایک یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ خود صاحبِ مضمون ہی اس تاریخی حقیقت کو لکھتے ہیں کہ مدینہ والوں نے بیعتِ عقبہ کے وقت آنحضورؐ کو "مدینہ تشریف لے چلنے کی دعوت دی"۔ مگر آگے چل کر یہ بات حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کی زبان سے ادا ہوتی ہے کہ "اب وہ تمہارے پاس جانا چاہتے ہیں"۔ یہ تو نمایاں تضاد ہے۔

مسودے کے صفحہ نمبر ۲ میں ہے کہ آنحضرتؐ نے ہجرت کے فیصلے کا اعلان فرما دیا۔ کیا ایک خفیہ مجلس میں کوئی بات ایسی بھی کہی جا سکتی ہے جسے "اعلان" کہا

جاتے ۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ حضورؐ نے مدینہ جانے کا وعدہ کر لیا ہو یا حامی بھر لی ہو، "املاق" کیا معنی ؟

علیٰ ہذا القیاس ایک نئی بات کو ثابت کرتے ہوئے ضروری احتیاطیں کر لینی چاہئیں ۔ (ف ۔ ح ۔)

حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب ہماری تاریخ کی ایک نہایت درخشاں شخصیت ہیں - آپ حضورؐ سرورِ کونین کے عمِ محترم ہیں - اور دیگر چچاؤں کی نسبت آپ کو یہ خصوصی اعزاز حاصل ہے کہ آپ آنحضرتؐ کے وصال کے وقت بھی موجود تھے اور اس کے بعد بھی کافی عرصہ تک زندہ رہے ہیں - اس وجہ سے آنحضرتؐ کے بعد اس الفت و محبت کا ایک حصہ انہیں حاصل ہو گیا جو مسلمان اپنے آقا سے رکھتے تھے - اِس رشتے کے علاوہ آپ پیغمبر آخرالزمان کے ایک برگزیدہ صحابی ہیں اور اس شرفِ صحبت کے باعث وہ ہماری آنکھوں کا تارا ہیں رمز بریں آں آپ بنو عباس کے جدِ امجد ہیں اور عباسیوں نے صدیوں تک عالم اسلام پر حکمرانی کی ہے - ان وجوہ کے باعث ہمارے لٹریچر میں حضرت عباسؓ کے فضائل و محاسن کا ذکر جا بجا ملتا ہے ۔

ہم اُن تا ادب و احترام پوری طرح ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے آج کی نشست میں ایک ایسی بات کی نشان دہی کرنا چاہتے ہیں جو شاید بنو عباس کا جدِ امجد ہونے کی حیثیت سے عباسی دور دور میں مدوّن ہونے والے اسلامی لٹریچر میں آپ کے فضائل و محاسن میں جگہ پا گئی ہے، حالانکہ یا تو وہ درحقیقت آپ کے محاسن میں شامل ہی نہیں ، یا پھر اس میں بحث و نظر کی گنجائش ہے ۔

یہ بات بیعتِ عقبۂ ثانیہ سے متعلق ہے یعنی جس موقع پر آنحضرتؐ کو انصار مدینہ نے ہجرت کی دعوت دی اور آپؐ نے اسے قبول فرما کر مدینہ جانے کا فیصلہ فرمایا ۔ کتب تاریخ و سوانح میں اس واقعہ کی تفصیل کچھ اس طرح دی گئی ہے ۔

عقبہ میں منعقد ہونے والی پہلی بیعت کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے لیے حضرت مُصعَبؓ بن عُمیرؓ کو روانہ فرمایا - انہوں نے

بحیثیت مبلغ اس قدر اخلاص، جانفشانی اور حکمتِ عملی سے کام کیا کہ جلد ہی مدینہ کے گھر گھر میں اسلام کا چرچا ہونے لگا۔ اور لوگوں کی ایک معتدبہ تعداد نے اسلام قبول کر لیا۔ موسمِ حج میں ان میں سے تقریباً ۷۰ افراد مکہ آئے۔ انہوں نے خفیہ طور پر عقبہ کے مقام پر آنحضرتؐ سے ملاقات کی۔ اس ملاقات کا ایک مقصد یہ تھا کہ آپؐ کو مکہ چھوڑ کر مدینہ تشریف لے جانے کی دعوت دی جائے۔ اس موقع پر رسول اکرمؐ کے ساتھ آپ کے چچا عباس بن عبدالمطلب بھی تھے۔[۱] جنہوں نے آنحضرتؐ کے سرپرست اور وکیل کے فرائض سرانجام دیتے ہوئے یہ کوشش فرمائی کہ دونوں فریق (یعنی آنحضرتؐ اور انصار) کسی ایسے معاہدے پر رضامند ہو جائیں جس کی رو سے آنحضرتؐ بلا خوف و خطر تبلیغِ اسلام کا فریضہ سرانجام دے سکیں۔ اس مقصد کے حصول کی خاطر انہوں نے گفتگو کا آغاز ان الفاظ میں کیا۔

"اے گروہِ خزرج! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے خاندان میں معزز اور محترم ہیں۔ دشمن کے مقابلہ میں ہم ہمیشہ ان کے سینہ سپر رہے۔ اب وہ تمہارے پاس جانا چاہتے ہیں، اگر مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر، ورنہ ابھی سے جواب دے دو۔"[۲]

---

[۱] ابنِ سعد نے بحوالہ واقدی بیان کیا ہے کہ انصار آپؐ کو تلاش کرتے کرتے حضرت عباسؓ کے دولت کدہ پر پہنچ گئے، جہاں آنحضرت بھی تشریف فرما تھے۔ انصار نے آپؐ سے ملاقات کا وقت مانگا۔ حضرت عباسؓ نے انہیں خطرے کا احساس دلا کر مشورہ دیا کہ فلاں وقت چپکے سے باہم ملاقات کر لو۔ پھر طے شدہ مقام و وقت پر وہ خود بھی آپ کے ساتھ گئے۔ محمد ابن سعد، طبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت جلد ۴، ص ۷ اور بلاذری، انساب الاشراف، حواشی حمید اللہ، دار المعارف مصر، جلد ۱، ص ۲۴۰ کے مطابق حضرت عباسؓ نہ صرف موقع پر موجود تھے، بلکہ "کان العباس المتولی لاخذ البیعۃ للنبیؐ واعتقادھا بالعھد والمیثاق۔"

[۲] ابنِ ہشام سیرۃ النبیؐ، تعلیقات محمود سید الطحطاوی، قاہرہ، ۱۳۴۶ھ، جلد ۱، ص ۲۶۶۔ طبری، "تاریخ الرسل والملوک" طبع حسینیہ مصریہ جلد ۲، ص ۲۳۸، (باقی بر صفحہ آئندہ)

حضرت عباسؓ کی تقریر سن کر اہلِ مدینہ نے یقین دلایا کہ وہ رسول اکرمؐ کی ہر صورت حفاظت کریں گے اور اس یقین دہانی کے بعد آنحضرتؐ نے ہجرت کے فیصلے کا اعلان فرما دیا۔

اس واقعہ میں درج ذیل باتیں محلِ نظر معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ کیا حضرت عباسؓ واقعتاً عقبہ میں آنحضرتؐ کے ساتھ تشریف لے گئے تھے؟

۲۔ اگر مذکورہ بالا سوال کا جواب ہاں میں ہے تو کیا حضرت عباس کا یہ فرمانا "ان کا خاندان ہمیشہ آنحضرت کا سینہ سپر رہا ہے" درست ہے۔

۳۔ کیا اُن کی تقریر کے آخری حصہ "کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے پاس جانا چاہتے ہیں اگر تم ان کی حفاظت کر سکتے ہو تو لے جاؤ، ورنہ ابھی سے جواب دے دو" اس طرح ہونا چاہیے کیا یہ حصہ معاملات کے لین دین میں ان کی مہارت کا اظہار کرتا ہے یا ان الفاظ کے ساتھ انہوں نے آنحضرتؐ کی پوزیشن کو انصار کے مقابلے میں کمزور کر دیا ہے۔

ان باتوں کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے کچھ تفصیلات پر نظر ڈالنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضرت رسول اکرمؐ نے دعویٰ نبوت فرمایا تو اہل مکہ کی اکثریت نے اس دعویٰ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ مزید برآں انہوں نے ہر ممکن کوشش کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

مقریزی، امتاع الاسماع، مطبوعہ قطر، ص ۳۵۔ مقریزی یہ بھی بیان کرتا ہے کہ اجلاس شروع ہونے سے قبل جناب عباسؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو عقبہ کے ایک سرے پر اور حضرت علیؓ کو عقبہ کے دوسرے سرے پر کھڑا کر دیا تھا تاکہ وہ گرد و پیش پر نظر رکھیں اور اجلاس کسی بیرونی مداخلت کے بغیر جاری رہے۔

ابنِ سعد جلد ۱ ص ۲۲۲ اور جلد ۴، ص ۸۰۷ پر حضرت عباسؓ کی تقریر پوری درج کی گئی ہے "یا معشر الخزرج انکم قد دعوتم محمداً الی ما دعوتموہ الیہ ومحمد من اعز الناس فی عشیرتہ یمنعہ واللہ منا من کان علی قولہ ومن لم یکن منا علی قولہ یمنعہ للحسب والشرف۔

کہ آپؐ بھی تبلیغِ رسالت سے باز نہ آجائیں۔ اُس وقت آپؐ کے چچا حضرت ابو طالب ہاشمی خاندان کے سربراہ تھے۔ اُنھوں نے فکری اختلافات کے باوجود اپنے خاندان کے ایک فرد کو اہلِ مکہ کے ظلم و ستم کے سامنے بے یار و مددگار چھوڑ دینا وضع داری اور اپنے منصب کے تقاضوں کے خلاف تصور کرتے ہوئے ہر ممکن طریق سے آپؐ کا دفاع کیا[1]۔ ابو طالب کی وفات کے بعد خاندان کی سربراہی ابولہب کے حصے میں آئی جو آنحضرتؐ کے مشن کا سخت مخالف تھا۔ اور آپ کو تنگ کرنے میں پیش پیش تھا۔ لیکن ذمہ داری کے احساس نے اُسے اپنا طرزِ عمل بدلنے پر مجبور کر دیا۔ یعنی اب وہ سمجھنے لگا کہ اگر آنحضرتؐ کو نقصان پہنچا تو سربراہِ خاندان ہونے کے سبب اس کی ناک کٹ جائے گی اور عرب میں یہ مشہور ہو جائے گا کہ ابولہب ایک ایسا کمزور سربراہ ہے جو اپنے افرادِ خاندان کی حفاظت سے قاصر ہے۔ اس عصبیت و حمیت کے باعث اس نے آنحضرتؐ سے کہہ دیا کہ آپؐ اپنے راستے پر چلتے رہیں، میں ابو طالب کی طرح آپؐ کی حفاظت کرتا رہوں گا۔ اہلِ مکہ کو یہ بات پسند نہ آئی کہ اُن کا سابقہ رفیقِ کار ان کے دشمن کا سرپرست بن جائے۔ اس لیے وہ مشورہ کر کے ابولہب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ بس بھتیجے کی تم حفاظت کر رہے ہو اُس سے یہ تو پوچھو کہ تمھارا باپ عبدالمطلب جنت میں ہے یا دوزخ میں۔ ابولہب نے آنحضرتؐ سے استفسار کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ دوزخی ہے۔ اہلِ مکہ کا مقصد پورا ہو گیا۔ کیونکہ اس جواب سے ابولہب ناراض ہو کر کہنے لگا کہ میں تمھارے لیے تمام اہلِ مکہ سے دشمنی مول لوں اور تم میرے باپ کو جہنمی قرار دو۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں اپنی پناہ واپس لیتا ہوں[2]۔

اس نئی صورتِ حال میں آپؐ کے لیے مکہ میں رہنا ناممکن ہو گیا۔ کیونکہ اہلِ مکہ کی اکثریت آپ کے خون کی پیاسی تھی۔ اور آپؐ کے خاندان کا سربراہ آپ کی حفاظت کی ذمہ اُٹھانے سے

---

[1] ابن ہشام، سیرۃ النبی علی حاشیۃ الروض الاُنُف للسُّہیلی، مکتبہ فاروقیہ ملتان جلد ۱ ص ۲۶۰۔

[2] ابن سعد جلد ۱ ص ۲۱۱۔

انکاری تھا۔ اس وجہ سے آپؐ نے ارادہ فرمایا کہ تبلیغ رسالت کے لیے کسی اور علاقے کا رُخ کرنا چاہیے۔ آپؐ کی نظر طائف پر پڑی اور آپؐ نے طائف کا سفر اختیار فرمایا:
طائف میں آپؐ کا قیام کم و بیش ایک ماہ رہا۔ اس دوران وہاں کے کسی شخص نے اسلام قبول نہیں کیا۔ (سوائے ایک غلام کے اور وہ بھی واپسی کے سفر میں)[1] اور نہ ہی کسی صاحب حیثیت شخص نے آپؐ کو پناہ دینے کا اعلان کیا تاکہ آپؐ وہاں مزید رُک کر تبلیغ دین کا فریضہ سرانجام دیتے رہیں۔ بلکہ آپؐ کو اس قدر تنگ کیا گیا کہ آپ انتہائی بے چارگی کے عالم میں وہاں سے نکلنے پر مجبور ہو گئے۔[2]
اب آپ کی منزل مکہ کے سوا کیا ہو سکتی تھی، لیکن وہاں سے ایک ماہ کی مسلسل غیر حاضری کو چھپانا بھی مشکل تھا۔ جن لوگوں نے (اہلِ طائف) نے پناہ دینے سے انکار کر کے نکال دیا تھا۔ ان سے یہ بھی بعید نہ تھا کہ وہ اہلِ مکہ کو آپؐ کے حالیہ دورۂ طائف اور اس کے مقصد سے بھی آگاہ کر دیتے۔ اس صورت میں اہلِ مکہ کا غصہ مزید بھڑک اُٹھنے کا اندیشہ تھا۔ اسی لیے آپؐ نے معززین طائف سے کہا تھا کہ اہلِ مکہ کو میرے اس مشن کے بارے میں نہ بتانا،

---

[1] ابن ہشام، سیرۃ النبیؐ علی حاشیۃ الروض الانف۔ جلد ۱، ص ۲۶۲
طبری جلد ۲، ص ۲۳۰۔

[2] ابنِ ہشام علی حاشیہ الروض الانف - جلد ۱ ص ۲۶۰ - محمد بن عبدالبرّ، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، مطبوعہ بغداد، جلد ۱ ص ۲۷۔

[3] ابنِ ہشام، سیرۃ النبیؐ علی حاشیۃ الروض الانف جلد ۱، ص ۲۴۰ کے مطابق
" فخرج رسول اللہ الی الطائف یلتمس النصرۃ والمنعۃ بھم من قومہ ورجاءان یقبلوا منھم ما جاءھم بہ من اللہ - بقول سید مودودی صاحب' وہاں جا کر آپؐ نے فرمایا کہ میں آپ لوگوں کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ آپ اسلام کے کام میں میری مدد کریں۔ اور میری قوم کے جو لوگ میری مخالفت کر رہے ہیں، ان کے مقابلے میں میری حمایت کریں۔ سید مودودی، سیرت سرورِ عالمؐ جلد ۲ ص ۶۳۳۔

لیکن انہوں نے یہ بات بھی ماننے سے انکار کر دیا تھا[1] دریں حالات آپؐ نے ضروری سمجھا کہ مکہ میں داخل ہونے سے قبل معززینِ مکہ میں سے کسی کی پناہ حاصل کر لیں۔

ابنِ سعد نے واقدی کی روایت نقل کی ہے کہ نخلہ سے جب آپ نے مکہ تشریف لے جانے کا قصد فرمایا تو حضرت زید بن حارثہ نے عرض کیا کہ آپؐ وہاں کیسے داخل ہوں گے، جب کہ قریش آپؐ کو نکال چکے ہیں[2] آگے کی بات واقدی نے مختصر کر دی ہے، مگر ابن اسحاق نے اس کو مفصل بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ حرا پہنچ کر آپؐ نے عبداللہ بن الاریقط کو اَخنس بن شُریق کے پاس بھیجا تاکہ وہ آپ کو اپنی پناہ میں لے لے۔ اُس نے کہا میں تو حلیف ہوں اور حلیف قریش کے اصل خاندانوں کے مقابلہ میں پناہ نہیں دے سکتا۔ پھر آپؐ نے عبداللہ کو سہیل بن عمرو کے پاس بھیجا۔ اس نے جواب دیا کہ بنی عامر بن لوی بنی کعب کے مقابلہ میں پناہ نہیں دے سکتے۔ اس کے بعد آپؐ نے قاصد کو مُطعم بن عدی نوفلی کے پاس بھیجا جس نے پناہ دینے پر رضامندی ظاہر کر دی اور اپنے مسلح بیٹوں کی معیت میں بیت اللہ میں اعلان کر دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کی پناہ میں ہیں۔ اسی اعلان کے باعث مکہ میں آنحضرتؐ کا داخلہ اور پھر قیام ممکن ہو سکا[3]

[1] ابن ہشام علی حاشیۃ الروض الاُنف جلد ۱، ص ۲۴۰
طبری جلد ۲، ص ۲۳۰۔

[2] ابن سعد جلد ۱، ص ۲۱۲۔

[3] ابن قُتیبہ، کتاب عیون الاخبار، قاہرہ، ۱۹۲۵ء، ص ۴۹ — ابن عبدالبر۔ الاستیعاب جلد ۱، ص ۲۳ — ابن سعد جلد ۱، ص ۲۱۲ — طبری جلد ۱، ص ۲ — بلاذری، انساب الاشراف جلد ۱ ص ۱۵۳، ۲۳۷ — ابن الاثیر، تاریخ الکامل، طبع منیریہ قاہرہ، ۱۳۴۹ھ جلد ۲، ص ۶۴ — مقریزی ص ۲۸ — شبلی، سیرۃ النبی، جلد ۱، ص ۲۴۵ — معین الدین ندوی، تاریخ اسلام، ۱۹۴۸ء جلد ۱، ص ۲۹ — مولانا مودودی سیرت سرورِ عالم جلد ۲، ص ۶۳۹ — ابو زہرہ، خاتم النبیین دوحہ قطر، ۱۴۰۰ھ جلد ۱ ص ۵۵۴ (باقی بر صفحہ آئندہ)

اس صورتِ حال کے بغور جائزے سے چند باتیں واضح ہوتی ہیں۔

۱۔ ابوطالب کی وفات کے بعد جب ابولہب نے آپؐ کی حفاظت سے انکار کر دیا تو آپؐ کا مکہ میں رہنا انتہائی مخدوش ہو گیا اور بہ روایت واقدی تو آپؐ کو مکہ سے نکال ہی دیا گیا تھا۔

۲۔ ابولہب کے زیر اثر بنو ہاشم بحیثیت خاندان آپؐ کی حفاظت سے دست کش ہو چکے تھے، جبھی تو آپؐ کو طائف میں جا کر پناہ تلاش کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

۳۔ بنو ہاشم میں سے جو لوگ مسلمان تھے (مثلاً سیدنا حمزہؓ اور سیدنا علیؓ) وہ اتنے طاقتور اور بااثر نہیں تھے کہ اپنے خاندان کی اکثریت کی مخالفت مول لے سکیں اور اپنی جانب سے آنحضرتؐ کی حفاظت کی ذمہ داری لے سکیں۔ اس بات کی شہادت یہ ہے کہ ابولہب کے انکار کے بعد پہلے تو آپؐ نے معززین طائف سے رجوع کیا اور وہاں سے مایوسی کے بعد ایسے معززین مکہ سے رجوع کیا جن میں نہ تو کوئی مسلمان ہاشمی تھا اور نہ کافر ہاشمی۔

مزید برآں واقعۂ طائف کے بعد سفرِ ہجرت تک ہمیں کوئی شہادت ایسی نہیں ملتی کہ مُطعِم بن عدی نے اپنی دی ہوئی امان کو واپس لے لیا ہو اور آنحضرتؐ کو دوبارہ کسی ہاشمی یا کسی اور مکی سردار کے پاس پناہ کی تلاش میں جانا پڑا ہو۔ نہ ہی کوئی شہادت اس امر کی مظہر ہے کہ ابولہب یا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

منٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، آکسفورڈ، ۱۹۵۳ء ص ۱۴۰۔

مُطعِم بن عدی کی اسی خدمت کے باعث آنحضرتؐ نے جنگِ بدر کے قیدیوں کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ اگر آج مطعم زندہ ہوتا اور ان قیدیوں کے بارے میں مجھ سے بات کرتا تو میں اس کی خاطر ان سب کو چھوڑ دیتا۔ دیکھیے واقدی، کتاب المغازی، حواشی مارسدن جونز، آکسفورڈ ۱۹۶۶ء جلد ۱، ص ۱۱۰۔ ابوعُبَید قاسم بن سلام، کتاب الاموال تعلیقات محمد خلیل ہراس، قاہرہ، ۱۹۶۹ء، ص ۱۶۴۔ ابوداؤد، سنن، تعلیقات محمد محی الدین عبداللہ قاہرہ ۱۳۶۹ھ، جلد ۳، ص ۸۲۔ ابن عبدالبر، جلد ۱، ص ۲۳۱۔

دیگر ہاشمیوں نے اس بات کو عار سمجھتے ہوئے کہ اُن کے خاندان کا ایک فرد بنو نوفل کی پناہ میں زندگی بسر کر رہا ہے، صورتِ حال میں تبدیلی کی کوشش کی ہو۔ یعنی یہ اعلان کیا ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ہمارے ہیں، ان کی حفاظت ہمارا فرض ہے۔ اور ہم آئندہ سے یہ فرض خود ادا کریں گے، ہم بنو نوفل کے شرمندۂ احسان نہیں ہونا چاہتے۔ تاریخ و سیرۃ کے کسی ماخذ سے ایسی بات کا سراغ نہیں ملتا۔

اِس پس منظر میں بیعت عقبہ ثانیہ کے واقعہ پر نظر دوڑائیے تو معلوم ہوگا کہ حضرت عباسؓ کی تقریر کا روایت کردہ وہ حصہ جس میں انھوں نے فرمایا "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے خاندان میں معزز و محترم ہیں اور ہم ہمیشہ ان کے سینہ سپر رہے ہیں" خلاف حقیقت معلوم ہوتا ہے۔ حاضرین یعنی گروہ انصار کو اس بات سے لاعلم قرار دینا کہ آنحضرتؐ ہاشمیوں کی بے مروّتی کے باعث طائف کا سفر کر چکے ہیں اور وہاں سے بھی مایوس ہو کر بنو نوفل کی پناہ میں زندگی گزار رہے ہیں، قرینِ قیاس نہیں ہے۔ وہ یقیناً اس صورتِ حال سے باخبر ہوں گے، کیونکہ وہ گذشتہ دو سال سے آنحضرتؐ کے احوال و کوائف کا جائزہ لے رہے تھے۔

اسی طرح تقریر کے یہ الفاظ کہ "وہ تمھارے پاس جانا چاہتے ہیں" بظاہر حضرت عباسؓ کی معاملہ فہمی اور دوراندیشی کے آئینہ دار نہیں ہیں، کیونکہ ان الفاظ کے ذریعے تو انھوں نے آنحضرتؐ کے مقابلے میں انصار کو بالاتر کر دیا۔ انصار کو یہ موقع فراہم کر دیا کہ وہ آنحضرتؐ کو مدینہ میں پناہ دینے کے عوض ان سے من مانی شرائط منوا سکیں۔ اور جب وہ مدینہ پہنچیں تو وہاں ان کا ورود ایک معزز مہمان، یا وقار رہنما کا نہیں بلکہ ایک پناہ گزین کا ورود ہو۔ ہمارے خیال کے مطابق اس طرح کے الفاظ سے آنحضرتؐ کی وکالت نہیں ہوتی بلکہ آپؐ کی پوزیشن کو ان سے نقصان پہنچتا ہے۔

گویا حضرت عباسؓ کی جو تقریر روایت کی جاتی ہے، راقم کے نزدیک اس کا ایک حصہ خلافِ واقعہ ہے اور دوسرا حصہ خلاف مصلحت۔ کیا اس صورت میں یہ بات حضرت عباسؓ کے محاسن میں شمار ہوگی یا معائب میں؟

دراصل جب کوئی بات واقعتاً نہ ہوئی ہو، بلکہ کسی نے وضع کی ہو تو ہزار احتیاط کے

باوجود اس میں سُقم رہ جاتے ہیں اور یہی کچھ اس معاملے میں ہوا ہے۔ عباسی حکمرانوں کو خوش کرنے کے لیے ہمارے لکھنے والوں نے ان کے جدِ امجد کے دامن میں ایک خوبی ڈالنے کی کوشش کی، لیکن وہ کوشش ایسی ہے کہ خود ہی من گھڑت ہونے کی چغلی کھا رہی ہے۔

ہمارا موقف یہ ہے کہ حضرت عباسؓ بیعتِ عُقبۂ ثانیہ کے وقت عقبہ میں موجود نہیں تھے، کیونکہ آخر کس بنا پر رسول اکرمؐ انھیں ساتھ لے گئے ہوں۔ اگر محافظوں یا پناہ دینے والوں کو ساتھ لے جانا مقصود تھا تو مُطعم اور اس کے بیٹے اس اعزاز کے مستحق تھے۔ اگر اپنے خاندان کے کسی فرد کی موجودگی ضروری تھی تو سیدنا علیؓ اور سیدنا حمزہؓ کو ساتھ لے جاتے۔ اگر کسی معزز پیروکار کو ساتھ لے جانا پسند فرماتے تو حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، یا حضرت عثمانؓ کو ساتھ لے جاتے۔ حضرت عباسؓ نہ تو محافظوں میں سے تھے، نہ بنو ہاشم کے سربراہ تھے اور نہ ہی تا حال بحیثیت مسلمان وہ پہچانے جاتے تھے۔

تحریکی لٹریچر میں خوبصورت اضافہ

یادوں کی امانت

سیّد عمر تلمسانی

ترجمہ: حافظ محمد ادریس

مجلد بمع ڈسٹ کور ——— صفحات: ۵۱۲ ——— قیمت: ۷۰/- روپے

البدر پبلی کیشنز - ۲۳ - راحت مارکیٹ، اُردو بازار لاہور